OPEN ACCESS
RUSHD
(Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies)
Published by: *Lahore Insititute for Social Sciences, Lahore.*

ISSN (Print): 2411-9482
ISSN (Online): 2414-3138
Jul-Dec-2022
Vol: 3, Issue: 2
Email: journalrushd@gmail.com
OJS: https://rushdjournal.com/index

Dr. Muhammad Khubaib[1]

بائبل سے اخذ و استدلال میں ”تفسیر ثنائی“ کا منہج و اسلوب

The Methodology of Reasoning and Derivation from the Holy Bible in "Tafsīr Sanāi"

Abstract

During British rule in the subcontinent, Christian missionaries aimed to discredit Islamic teachings and convert Muslims to Christianity. Mawlānā Sanaullah Amritsari (1868-1948) countered their logic and philosophy through writing, speaking, and debating. He then wrote a comprehensive commentary on the Holy Qur'an in Urdu, which provided strong arguments for the maturity of Muslim beliefs and answered objections and doubts raised by Christian missionaries about Islam. The commentary answered objections using references from Christian scriptures and raised counter-objections on their beliefs, making the answers more acceptable and helping them understand Islam. This research paper aimed to strengthen the faith of Muslims and provide an understanding of Qur'an, Prophet Muhammad (PBUH), and Muslim teachings to non-Muslims, potentially leading to their acceptance of Islam.

[1] Assistant Professor, Department of World Religions and Interfaith Harmony, The Islamia University of Bahawalpur

Keywords: Al-Qur'ān Al-Majīd, Holy Bible, Preaching of Islam, Tafsīr Sanāi, Mawlānā Sanaullah Amritsari.

موضوع کا تعارف

برِّ صغیر کے ایامِ غلامی میں تمام اسلام دشمن طاقتیں اپنے اپنے گوشوں سے نکل کر اسلام اور اہل اسلام پر تیز و تند حملے کر رہی تھیں۔ انگریز عیسائیوں پر ۱۸۵۷ء کی فتح کا نشہ ایک قہرمانی تبلیغ کے سانچے میں ڈھل چکا تھا۔ ان کے علماء رہبان، مشنری اور پادری سڑکوں اور چوراہوں پر کھڑے ہو کر اسلام کی صداقت کو چیلنج کرتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے تقریر و تحریر کے میدان میں اسلام کے خلاف سخت اودھم بپا کر رکھا تھا۔ اسی دوران بھگتوں نے آریہ سماجی تحریک کے پردے میں شُدھی اور سنگٹھن کے پروگرام شروع کیے اور ارتداد کی پر زور لہر اٹھانے کی کوشش کی۔ ادھر انہی ایام میں مسلمانوں کا چشمہ حیات خشک کرنے اور انہیں مکمل طور پر مسخ کرنے کی غرض سے صلیبی انگریزوں کا خود کاشتہ پودا مرزا غلام احمد قادیانی بھی اپنی انگریزی نبوت کا سایہ دراز سے دراز تر کرنے کے لیے کوشاں تھا تو دوسری طرف نام نہاد ماڈرن مفکرین نے مغرب سے مرعوب ہو کر اسلام کی نبوی دور کی اصطلاحات میں تاویلات، صحیح احادیث کو ظن اور خبرِ واحد کو تاریخ کہہ کر اس کی تشریعی حجیت سے انکار جیسے نظریات کا سہارا لے کر قرآن مجید کو اپنے فلسفی و ملحدانہ نظریات کے تابع کر کے حسب منشاء خرافات کے لیے راستہ ہموار کر رہے تھے[1] تو اس دور میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے رسائل و جرائد میں مضامین اور کتب تحریر کر کے اہلِ اسلام کو اسلام پر قلبی پختگی فراہم کی۔ آپ نے مسیحی پادریوں سے نہ صرف مناظرے کیے بلکہ ان کے اسلام پر تحریری اور تقریری اعتراضات اور تشکیکات کا ہر فورم پر نہایت ہی عالمانہ اور فاتحانہ مقابلہ اس انداز سے کیا کہ اُنہیں کی کتب سے استدلال کرتے ہوئے جواب دیا جو نہ صرف ان کے لیے قابلِ قبول ہو بلکہ اُن کے اسلام کی طرف مائل ہونے میں بھی معاون ثابت ہو۔ تفسیر ثنائی میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اسی منہج کو اس مقالہ میں واضح کیا گیا ہے۔

---

1 امرتسری، ثناء اللہ، مولانا، تقابلہ ثلاثہ (امرتسر: ثنائی برقی پریس، 1904ء)، مقدمہ

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف اور خدمات

درج بالا دور میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ جون ۱۸۶۸ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان اصلاً کشمیری تھا اور ان کے والد مرحوم کا ذریعہ معاش اونی کپڑوں کی تجارت تھی اور امرتسر آکر سکونت کرلی تھی۔ مولانا یہیں پیدا ہوئے۔[1] مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی احمد اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالمنان وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ، شمس العلماء سید نزیر حسین رحمۃ اللہ علیہ[2] اور مدرسہ فیض عالم کانپور سے تعلیم حاصل کی یعنی اہلحدیث، دیوبندی اور بریلوی تینوں اساتذہ سے ایک دوسرے سے مختلف طرز تعلیم سیکھا۔[3] تعلیم سے فراغت کے بعد آپ امرتسر میں مولوی احمد اللہ کے مدرسہ میں چھ سال صدر مدرس اور پھر مدرسہ اسلامیہ مالیر کوٹلہ میں ۱۹۰۰ء تک دوسال صدر مدرس کے طور پر فرائض انجام دیے۔[4] آپ ۱۹۰۴ء میں "آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس" موجودہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے پہلے ناظم منتخب ہوئے اور آپ "جمعیت العلماءِ ہند" کے بانیوں میں سے ہیں۔[5] ۱۹۱۹ء میں آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی استقبالیہ کمیٹی کی صدارت کی۔[6] ۱۹۲۶ء میں مؤتمر اسلامیہ، مکہ مکرمہ میں سلطان عبدالعزیز ابن سعود نے آپ کو آل انڈیا اہلحدیث کی حیثیت سے نمائندگی دی۔[7]

آپ اپنی مسجد میں روزانہ درسِ قرآن دیتے جس میں بلا تفریق مسلم و غیر مسلم شریک ہوتے۔ آپ اس درس میں قرآن مجید کے رموز و نکات دلنشین انداز سے بیان کرتے اور معترضین کے اعتراضات اور غیر مذاہب کی اسلام پر نکتہ چینیوں کے مدلل جواب دیتے۔[8] آپ کے خطبے علم و عرفان کے بہتے ہوئے دریا تھے جو خشک و مردہ

1 قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، 1995ء)، ص:301

2 نوشہروی، ابو یحیٰ، نقوش ابو الوفاء (لاہور: ادارۃ ترجمان السنہ، 1388ھ)، 1:22،21

3 عراقی، عبدالرشید، تذکرہ ابو الوفاء (گوجرانوالہ: ندوۃ المحدثین، 1984ء)، ص:19

4 ندوی، عبدالمبین، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی سوانح حیات اور ان کی تفسیری خدمات، (گوجرانوالہ: ندوۃ المحدثین، 1988ء)، ص:25

5 فضل الرحمٰن، مولانا ثناء اللہ امرتسری، (لاہور: دارالدعوۃ السلفیہ، کارواں پریس، 1987ء)، ص:30

6 مبارکپوری، صفی الرحمٰن، مولانا، فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، (بنارس: ادارہ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء، مرکزی دارالعلوم، 1979ء)، ص:51،50

7 عراقی، تذکرہ ابو الوفاء، ص:24،23

8 فضل الرحمٰن، مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص:44

پودوں کو سرسبز و شاداب کر دیتے تھے۔ آپ کے ان خطبات میں کتاب و سنت، توحید و رسالت کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ شرک وبدعت کی تردید کے علاوہ ملک میں مخالفینِ اسلام اور گمراہ لوگوں کی دینِ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے شروع کردہ تحریکوں سے سامعین کو آگاہ کرتے اور اس سے بچنے اور اس کو روکنے کی تدبیریں بتاتے۔ غرض آپ کا خطبہ ایک جامع اور پر تاثیر ہوتا۔[1] آپ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ رسائل و کتب بھی تصنیف کیں۔ آپ نے تین رسائل مجلہ اہلحدیث ہفت روزہ، مسلم ماہانہ اور مرقع قادیانی ماہانہ بنیادوں پر شائع کیے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رسائل "مسلم" اور "مرقع قادیانی" "مجلہ اہلحدیث" میں ضم کر دیے گئے۔ مجلہ اہلحدیث نے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔ اس مجلہ میں خاص طور پر عیسائی، آریہ، مرزائی اور نیچری مذاہب کے متعلق لکھا جاتا تھا۔ ۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء سے لے کر تقسیم ہند تک یہ رسالہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔[2]

مولانا کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سرفہرست وہ تصانیف ہیں جو آپ نے اسلام کی مدافعت اور مخالفین کے جواب میں لکھیں جیسے بائبل کے مختلف ایڈیشنوں سے دلائل وبراہین کے ذریعے "تفسیر سورۃ یوسف اور تحریفاتِ بائبل" لکھ کر بائبل میں تحریفات کے ثبوت پیش کیے۔ پادری ٹھاکر دت کی کتاب "عدم ضرورت قرآن" کے جواب میں کتاب "تقابل ثلاثہ" لکھی۔ اسی طرح اپنی کتاب "اسلام اور مسیحیت" عیسائیوں کی تین کتابوں "مسیحیت کی عالمگیری"، "دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت" اور "توضیع البیان فی اصول القرآن" کے جواب میں لکھی۔ عیسائیوں کے رسالہ "حقائق قرآن" کا جواب "معارف قرآن" سے دیا۔ ان کے علاوہ پادری عبد الحق کی تصنیف "اثبات التثلیث" کا جواب "اثبات التوحید" اور عیسائی پادریوں کے توحید پر اعتراضات کے جواب میں کتاب "توحید، تثلیث اور راہِ نجات" لکھی۔ پادری سلطان محمد پال کی تصنیف "میں مسیح کیوں ہوا؟" کا جواب "تم عیسائی کیوں ہوئے؟" لکھ کر دیا۔ پادری عبد الحق اور پادری سلطان محمد پال کے کئی مضامین کا جواب دیا جسے ۱۹۳۰ء میں کتابی شکل میں "مجموعہ جوابات نصاریٰ" کے نام سے شائع کیا۔

---

1 سوہدروی، عبد المجید خادم، مولانا، سیرت ثنائی، (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 1989ء)، ص:239

2 عراقی، تذکرہ ابوالوفاء، ص:42، 45

سوامی دیانند سرسوتی کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" میں جب قرآن مجید پر ۱۵۹ اعتراض کیے گئے تو ان کا جواب "حق پرکاش" لکھ کر دیا۔ پنڈت دھرم بھکشو نے جب "کتاب اللہ وید ہے یا قرآن" شائع کی تو مولانا نے اس کا جواب "کتاب الرحمن" لکھ کر دیا اور "رنگیلا رسول" کے جواب میں "مقدس رسول" لکھی۔[1] غازی محمود دھرم پال کے رسالہ "تَرکِ اسلام" کا جواب "تُرکِ اسلام" (اسلام کا سپاہی) رسالہ سے دیا۔ اس کے علاوہ آریہ کے جواب میں الہام، جہاد، بحث تناسخ، ضرورت وید، شادی، بیوگان، نکاح آریہ، اصول آریہ، تحریک آریہ وغیرہ کتب تحریر فرمائیں۔ مرزائیوں کے جواب میں کتب تاریخ مرزا، عقائد مرزا، تعلیمات مرزا، شہادت مرزا، نکات مرزا، نکاح مرزا، چیستان مرزا، عجائبات مرزا، برات مرزا، علم وکلام مرزا، آخری فیصلہ، فاتح قادیان وغیرہ لکھیں اور اس کے علاوہ مسلک اہل حدیث پر اعتراضات کے اوپر بھی کئی ایک کتب تحریر فرمائیں۔

مولانا نے دو عربی تفاسیر "تفسیر القرآن بکلام الرحمن"[2] اور "بیان الفرقان علی علم البیان" لکھیں۔[3] اسی طرح دو اردو تفاسیر "تفسیر ثنائی" ہے اور "تفسیر بالرائے" تحریر کیں۔[4] مولانا نے علوم القرآن اور قرآنی مباحث سے متعلق بھی درجن بھر کتب لکھیں اور جب کسی نے قرآن پر زبان کھولی یا قلم اٹھایا تو اس کے رد وابطال کے لیے سب سے پہلے جو سپاہی آگے بڑھتا وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ہوتے۔ پادری سلطان محمد خان پال کا جواب مولانا ہی نے دیا جو برہان التفاسیر کے نام سے شائع ہوا۔[5] اللہ تعالیٰ نے مولانا میں برجستگی اور حاضر جوابی جیسے خصائل کوٹ کوٹ کر بھر دیے تھے۔ مولانا نے اپنی تعلیم کے ابتدائی دنوں ہی سے مناظرے کرنے اور دیگر ادیان کی علمی مجالس میں جانا، سننا اور علمی سوالات کرنا شروع کر دیے تھے لیکن وہ آگے سے جواب نہ دے پاتے تھے[6]۔ ۱۸۸۳ء۔۱۸۸۴ء میں پندرہ سال کی عمر میں ایک مرتبہ پادری جیمز کے "ابنیتِ مسیح" کے موضوع پر لیکچر کے دوران سوال کیا کہ میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ "خدا کی شادی کب ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ اس کی

1 امرتسری، ثناء اللہ، مولانا، تفسیر ثنائی (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2002ء)، 7:1
2 قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں، ص:304
3 قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں، ص:314
4 قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں، ص:315
5 ایضاً
6 سوہدروی، سیرت ثنائی، ص:100

بیوی کا نام کیا ہے؟ یہ بیٹا خدا نے خود جنا یا اس کی زوجہ نے جنا؟" پادری اس نوعمر کے اس سوال پہ ہکا بکا اور دنگ رہ گیا۔ پھر آپ نے اپنی زندگی دفاع اسلام کے لیے وقف کر دی۔[1]

اس دور میں عیسائی اور آریہ سماج تحریر و تقریر کے ذریعے مسلمانوں کے عقائد کو حدف تنقید کا نشانہ بنائے ہوئے تھے اور تشکیک پیدا کرنے کے لیے بحث و مباحثہ اور مناظرانہ اسلوب بھی اختیار کیے ہوئے تھے تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حالات کو بھانپتے ہوئے اس میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا اور مولانا نے عیسائی، آریہ، قادیانی، سر سید احمد خاں سمیت ہر چیلنج کو قبول کیا اور آپ کے مناظروں کی تعداد دو ہزار سے زائد بتلائی جاتی ہے۔ آپ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے نہ صرف پیدا شدہ شبہات کا رد کرتے بلکہ مدمقابل کے عقیدے کو ایسا متذلذل کر دیتے کہ اس کو اپنے عقیدے کے دفاع کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا پڑ جاتے۔ آپ ہمیشہ مدمقابل کی ہی کتب سے مدمقابل کو زیر کرتے لیکن آپ ہمیشہ مدمقابل کی عزت و توقیر کا خیال رکھتے اور ہنسی و مزاح کا اسلوب اختیار کرتے۔ آپ دین اسلام کے دفاع کے لیے شمشیر بے نیام ثابت ہوئے۔ اسی وجہ سے آپ کو امام المناظرین کا لقب دیا گیا۔

۱۹۱۰ء لاہور میں عیسائی مناظر پادری جوالہ سے مناظرہ ہوا، جس میں عیسائی مناظر نے دورانِ مناظرہ اعترافِ شکست کر لیا تو ایک مکمل خاندان نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح ۲۷۔۲۸ فروری ۱۹۲۶ء گوجرانوالہ میں مسئلہ توحید پر عیسائی پادری محمد سلطان پال سے مولانا کا مناظرہ ہوا۔ یورپین سمیت آٹھ دس ہزار حاضری تھی۔ پادری محمد سلطان پال کی شکست کا تذکرہ مولانا عبد المجید سوہدروی کے بقول ان کی شکست سے متاثر ہو کر ایک نوجوان عیسائی عین مناظرہ ہی میں مسلمان ہو گیا جس سے عیسائی بہت نادم ہوئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ۴ تا ۵ اگست ۱۹۳۵ء الہ آباد میں پادری عبد الحق سے الوہیت مسیح کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ پادری نے بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر یہاں تک کہہ دیا کہ "ہم الوہیت مسیح کے قائل نہیں ہیں" پھر کیا تھا کہ عیسائی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔[2] آپ ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو اس فانی دنیا سے رحلت فرما گئے۔

---

1 سوہدروی، سیرت ثنائی، ص:89۔91

2 سوہدروی، سیرت ثنائی، 333

تفسیر ثنائی کا تعارف اور اسلوب

مولانا نے جس زمانہ وماحول میں تفسیر نویسی کا کام کیا وہ بہت نازک اور ذہنی انتشار کا دور تھا۔ مختلف مکاتب فکر کے لوگ اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے قرآن حکیم کی تفسیروں میں من مانی تاویلات سے کام لینے لگے اور اپنے افکار و نظریات کی تائید میں قرآن ہی سے جو دلیلیں تلاش کرتے انہیں عقل سلیم اور نقل صحیح دونوں تسلیم کرنے سے قاصر تھے۔ اس کے علاوہ غیر مسلموں میں آریہ و عیسائی قرآن مجید پر اعتراضات و شبہات پیدا کرنے اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے صحیح تعبیر کا استہزا کر کے اپنی مقدس مذہبی کتب کے الہامی ہونے کی دلیلیں پیش کر کے قرآنی احکام، تصور توحید، نظریہ عبادت وغیرہ تک کو غیر فطری قرار دینے کی انتھک کوششوں میں مصروف تھے۔[1]

ہندوستان میں لکھی گئی تفاسیر مسلمانوں کو قرآن سمجھنے میں مدد تو ضرور دیتی تھیں لیکن یہ نہ سمجھاتی تھیں کہ ان کے دین و عقیدہ پر آریہ، عیسائی اور قادیانی اعتراضات کا جواب کس طرح دیا جائے اور ان کو لاجواب کس طرح کیا جائے۔ مولانا ثناء اللہ نے مناظر اسلام ہونے کی وجہ سے اپنی تفاسیر میں قرآن فہمی کے ساتھ ایسے جوابات فراہم کر دیے تھے کہ قاری مخالفین اسلام کا مسکت و مدلل جواب دے سکے اور ان کی بھرپور گرفت کر سکے۔[2]

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے درج بالا حالات وواقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے آٹھ جلدوں پر مشتمل "تفسیر ثنائی" کے نام سے تفسیر قرآن لکھی جو ۱۵۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ تفسیر کی پہلی جلد ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء میں منظر عام پر آئی اور آخری جلد ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء کو شائع ہوئی۔ یہ تفسیر مطبع چشمہ نور امرتسر، مطبع روزبازار امرتسر، مطبع اہل حدیث امرتسر، ثنائی اکیڈمی دہلی سے کئی بار شائع ہو کر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں درجہ قبولیت حاصل کر چکی ہے۔ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور نے اس تفسیر کو دسمبر ۲۰۰۲ء میں تین جلدوں میں شائع کیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ثنائی کا سبب تالیف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مقصدِ تفسیر دو ہیں ایک مسلمانوں میں

---

1 قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں، ص:302

2 قرآن پاک کی تفسیریں چودہ سو برس میں، ص:303

قرآن شریف کا فہم پیدا کرنا اور دوسرا معترضین کے اعتراضات کا جواب دینا۔ قرآن مجید علومِ عقلیہ و نقلیہ اور خاص کر علم مناظرہ میں امام ہے۔ لہذا اس تفسیر میں دونوں کام کیے گئے ہیں۔ یہ تفسیر ضروریاتِ زمانہ کے مطابق تحریر کی جارہی ہے۔[1]

مولانا نے تفسیر کے آغاز سے پہلے ایک گراں قدر مقدمہ تحریر کیا جس میں خاتم النبیین ﷺ کی نبوت پر چار دلائل قائم کیے ہیں۔ اس گرانقدر مقدمے کے متعلق خود لکھتے ہیں کہ اس مقدمے میں چند دلائل مختصرہ سے سید الانبیاء محمد مصطفی علیہ و علی آلہ التحیۃ والسلام کی نبوت کا ثبوت ہو گا۔ اس لیے کہ ہر کتاب سے پہلے صاحبِ کتاب کی وجاہت کا لحاظ بھی ضروری ہے۔[2]

مولانا رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ثنائی میں پہلے کالم میں آیات، دوسرے کالم میں با محاورہ ترجمہ اور تیسرے کالم میں ترجمہ کو ہی مزید سلیس اور عام فہم انداز میں بیان کرتے ہیں یعنی تفسیر میں ترجمہ و تفسیر کو مسلسل عبارت میں ڈھال دیتے ہیں۔ پھر چوتھے کالم میں جہاں ضرورت ہو وہاں تشریح کرتے ہیں۔ ان چاروں کالم میں سے جہاں کہیں حاشیہ کی ضرورت ہو تو پانچواں کالم بنا کر صفحے کے آخر میں حاشیہ ثبت کرتے ہیں۔ تفسیر ثنائی میں آیات کا ترجمہ با محاورہ، سلیس، عام فہم، مطلب خیز اور سادہ ہے۔

تفسیر میں فکری دورِ انتشار کے لحاظ سے اسلامی عقائد پر وارد شدہ اعتراض کا مسکت جواب دیا ہے اور مخالفین کے عقائد کا معقول اور منقول سے رد کیا ہے۔ یہاں آپ دو طرز کا منہج اختیار کرتے ہیں۔ پہلے مخالفین عیسائی اور آریہ وغیرہ کا رد کرتے ہیں پھر اپنے عقیدے کی قرآن و سنت کی روشنی میں حقیقت واضح کرتے ہیں پھر مخالفین یعنی عیسائی اور آریہ وغیرہ پر انہی کی کتب سے ایسے عقلی و نقلی دلائل قائم کرتے ہیں جن سے اعتراضات کا دروازہ کلی طور پر بند ہو جاتا ہے۔ تفسیر میں جگہ جگہ سر سید کی "تفسیر القرآن" پر منظم انداز میں تنقید کی گئی ہے۔ سر سید کی عبارات کو نقل کیا گیا ہے پھر جمہور کا ٹھوس موقف اپناتے ہوئے مدلل جواب دیا گیا ہے۔ تفسیر ثنائی کا شمار تفسیر بالماثور میں ہوتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ احادیث سے بہت ہی خوبصورت انداز سے استدلال کرتے ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ

1 امرتسری، تفسیر ثنائی، 1:5
2 امرتسری، تفسیر ثنائی، 1:6

عقلی ونقلی دلائل کو اشعار پیش کرتے ہوئے مزید دلچسپ بنا دیتے ہیں۔

بائبل سے اخذ واستدلال میں تفسیر ثنائی کا منہج واسلوب

اثباتِ نبوت خاتم النبیین ﷺ میں بائبل سے استدلال

حضورِ اقدس ﷺ کی نبوت کے ثبوت کے لیے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مناظرانہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ مقدمہ بھی اثبات نبوت پر لکھا ہے۔ چار دلائل میں ایک دلیل بائبل سے دی ہے اور اسی طرح پہلی جلد کے صفحہ ۴۸۴ تا ۴۹۸ تک حضور ﷺ کی نبوت کے اثبات پر دلائل پیش کرتے ہیں اور ان دلائل کے متعلق مسیحی پادریوں کے نظریات پیش کر کے ان کے جواب دیتے ہیں۔ ان پیشین گوئیوں پر ہر وہ اعتراض پیش کر کے رد کرتے ہیں جو مسیحی پادری کرتے ہیں۔ مثلاً ایک پیشین گوئی کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے:

"اور ایسا ہی ہو گا کہ جو نبی میری باتوں کو جنہیں وہ (نبی) میرا نام لے کے کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا اس سے حساب لوں گا لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔"[1]

یہ عبارت زیر خط واضح طور پر ہمیں ایک قانون الٰہی سے آگاہ کرتی ہے اور بتلاتی ہے کہ نظام عالم میں جہاں اور قوانین الٰہی ہیں۔ یہ بھی ہے کہ کاذب مدعی کی نبوت کی ترقی نہیں ہوتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ عبارت مذکورہ سے بانی اسلام مستثنیٰ رہے حالانکہ بقول اہلِ کتاب پیغمبرِ اسلام کاذب تھے۔ معاذ اللہ۔ پھر میں پوچھتا ہوں کیا وجہ ہے کہ توریت میں عبارت مذکورہ کے موافق آپؐ کے گلے پر کیوں تلوار نہ پھری؟ حالانکہ آپ لوگوں کی ہمشیرہ) خیبر میں ایک یہودیہ عورت (نے آپؐ کو دعوت میں زہر بھی دیا مگر وہاں بھی﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾[2] (اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے، گو کافر برا مانیں) بالکل سچا معلوم ہوا اور﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾[3] (اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا) نے

1 استثنا 19،20:18
2 سورۃ الصف: 8:61
3 سورۃ المائدۃ: 67:5

پورا جلوہ دکھایا۔ کیا توریت کلام الٰہی نہیں؟ کیا اس میں برکت اور صداقت نہیں؟ آخر ہوا تو کیا جو اس کے مطابق حضور اقدس ﷺ نہ مارے گئے۔ باوجود یہ کہ آپ کئی ایک لڑائیوں میں بھی گئے۔ ان لڑائیوں میں آپ ﷺ کو تکالیف شدیدہ بھی پہنچیں، مگر اس پیشینگوئی کی تصدیق نہ ہونے پائی۔ پس اگر یہ کلام توریت کا سچ ہے تو آپ ﷺ کی نبوت بھی بلاکلام حق ہے۔ ورنہ عیسائیوں کا کم سے کم اتنا تو ضرور ہے کہ جب تک اس عبارت کی کوئی توجیہ ان کی سمجھ میں نہ آئے، سرور عالم سید الانبیاء، محمد مصطفی فداہ ابی وامی علیہ افضل الصلوۃ والسلام کی نبوت کو تسلیم کریں ورنہ اس کی تکذیب سے توریت کی بھی تکذیب ہو گئی۔[1]

اسی طرح آیت ﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ﴾[2] کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کے حاشیہ میں ہم کتبِ سابقہ کی پیش گوئیوں کا کسی قدر ذکر کریں گے۔ اور عیسائیوں نے غلط فہمی سے جو کچھ تاویلات کر کے ان کے متعلق ہاتھ پاؤں مارے ہیں ان کا جواب بھی دیں گے۔[3] پھر مولانا کتاب استثنا کی آیت "خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کو سننا۔"[4] پیش کرنے کے بعد حضور ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مشابہت کا ذکر کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت مستقلہ تھے۔ ایسے ہی محمد رسول اللہ ﷺ صاحب شریعت مستقلہ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کفار سے جہاد کیے، پیغمبر خدا نے بھی جہاد کیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتوں کو توڑا، پیغمبر خدا نے بھی بتوں کو توڑا بلکہ بت پرستی کو معدوم کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معراج ہوا، آنحضرت ﷺ کو بھی ہوا۔ غرض اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں مشترک ہیں۔ پس جب آنحضرت ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہیں تو پیشین گوئی آپ پر ہی چسپاں ہے۔[5]

---

1 امرتسری، تفسیر ثنائی، 484:1

2 سورۃ الأعراف: 157:7

3 امرتسری، تفسیر ثنائی، 484:1

4 استثنا، 15:18

5 امرتسری، تفسیر ثنائی، 486:1

پھر آپ پادری کارل گوٹلیٹ فینڈر کے اعتراضات پیش کرتے ہیں۔ پادری فینڈر کہتے ہیں کہ تشبیہ کمالات میں دینی چاہیے پس دیکھو کہ کمالات میں موسیٰ علیہ السلام کی مانند محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا حضرت مسیح علیہ السلام؟ موسیٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو فرعون بچوں کو مار رہا تھا مسیح علیہ السلام جب پیدا ہوئے ہیرودنے بیت لحم کے لڑکوں کو قتل کیا تھا وغیرہ وغیرہ[1] لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ عقلی و نقلی دلائل سے پادری فینڈر کی تشبیہ کا رد کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ فرعون اور ہیرود کا بچوں کو مارنے کا وصفِ نبوت سے کیا تعلق ہے؟ صاحب کمالات ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ تشبیہ تو ایسی ہے جیسے کوئی کہے زید بھی عمر کی طرح عالم ہے کیونکہ جس طرح عمر زمانہ قحط سے پیدا ہوا تھا زید بھی ایام قحط میں پیدا ہوا ہے۔ اس لیے یہ ضروری نتیجہ ہے کہ زید بھی عمر کی طرح علم میں کامل ہو تو جیسے اس تشبیہ کے نتیجہ پر دانا ہنسیں گے، ایسے ہی پادری مذکورہ کے بچوں کے قتل کا ذکر سن کر مسکرا دیں گے۔[2]

اسی طرح پادری فینڈر کے بقول کہ اس پیشین گوئی سے مراد بنی اسرائیل ہیں کیونکہ "تیرے ہی درمیان سے" کا لفظ بھی آیا ہے۔ مولانا اس کا جواب دیتے ہیں کہ "تیرے ہی درمیان سے" کا لفظ چونکہ یونانی ترجمہ میں نہیں اس لیے غلط ہے، موجودہ نسخوں کا اختلاف ہی اس فقرہ کے غلط ہونے کی تائید کرتا ہے۔ ایک نسخہ عربی میں جو ۱۵۶۱ء کے نسخہ سے نقل ہو کر ۱۷۴۶ء میں لنڈن میں چھپا ہے یوں مرقوم ہے۔ "فان نبیا من شعبک و من اخوتک مثلی یقیمه لک الرب الهک فاسمع منه" دوسرے عربی نسخے میں جو ۱۷۵۸ء میں چھپا ہے یوں مذکور ہے "یقیم لک الرب الهک نبیا من وسطک من اخوتک مثلی له یسمعون" غرض ایک نسخہ میں واؤ عاطفہ کے ساتھ اور دوسرے میں بغیر واؤ کے مرقوم ہے جس سے بظاہر دونوں عبارتوں کے معنی میں فرق آتا ہے۔ اردو ترجمہ میں بھی واؤ عاطفہ نہیں ہے اور اگر اس فقرے کو صحیح مانا جاوے تو یہی نسخہ بدون واؤ کے صحیح نظر آتا ہے پس ہم اس فقرہ کو مان کر بھی جواب دیں گے کہ بغیر واؤ کی صورت میں "من اخوتک" کا بدل ہے "من وسطک" سے اور واؤ کی صورت میں عطف تفسیری ہو گا پس دونوں صورتوں میں تیرے ہی درمیان کے الفاظ سے تیرے ہی بھائیوں میں سے مراد ہو گا اور انجیل میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔

---

1 امرتسری، تفسیر ثنائی، 1:17، 18
2 امرتسری، تفسیر ثنائی، 1/489

"موسیٰ علیہ السلام نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے ایک نبی میری مانند اٹھائے گا جو کچھ وہ تمہیں کہے اس کی سب سنیو۔"[1]

پس ثابت ہوا کہ تیرے ہی درمیان کا لفظ الحاقی ہے یا مؤول۔ چنانچہ ہم نے اس کی تاویل کر دی ہے۔[2]

انبیاء کرام علیہم السلام پر اعتراضات کی تردید میں بائبل سے استدلال

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ سب نبی گناہگار ہیں سوائے حضرت مسیح علیہ السلام کے۔ اس دعویٰ پر وہ قرآن میں سے آیت ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾[3] اور اس جیسی اور آیات پیش کرتے ہیں کیونکہ اس کے لفظی ترجمہ سے سمجھا جاتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گناہگار تھے۔ اس لیے گناہوں کی بخشش مانگنے کا ان کو حکم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید بلکہ دیگر کتب میں بھی یہ محاورہ ملتا ہے کہ نبی کو مخاطب کر کے امت کو حکم ہوتا ہے۔ قرآنی آیات﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾[4] اور ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾[5] وغیرہ میں صیغہ مفرد مخاطب کا ہے یعنی ترجمہ ان کا یہ ہے کیا تو نے نہیں دیکھا وغیرہ۔ مطلب ان سب آیات کا عام ہے یعنی امت کو حکم ہوتا ہے۔ بائبل میں بھی ہم کو یہ محاورہ ملتا ہے جہاں حکم ہوتا ہے:

"اے اسرائیل! سن لے اور اس کے کرنے پر دھیان رکھ تا کہ تیرا بھلا ہو۔ سن لے اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ۔"[6]

ان سب حوالہ جات میں اسرائیل بول کر بنی اسرائیل مراد ہیں کیونکہ اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) تو تورات سے بہت پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اسی طرح آیات قرآنی میں صیغہ مفرد مخاطب کا بول کر تمام امت مراد ہے۔ بس معنی آیت موصوفہ کے یہ ہیں: اے مسلمانو! تم اپنے گناہوں کی معافی مانگا کرو۔ اس سے اگر کچھ ثابت

1 اعمال، 3:22
2 امرتسری، تفسیر ثنائی۔ 1/484،485
3 سورۃ غافر:40:55
4 سورۃ الاحزاب:33:1
5 سورۃ البقرۃ:2:246
6 استثنا، 6:3۔5

ہوا تو یہ کہ مسلمان گناہگار ہیں، اس سے ہم کو بھی انکار نہیں۔

اسی مضمون کے ساتھ ساتھ یہ بحث بھی چھیڑی جاسکتی ہے کہ اگر دیگر انبیاء گناہگار تھے تو انجیل کے حوالہ جات سے حضرت مسیح بھی بے گناہ نہ تھے مگر ہماری غرض اس سے وابستہ نہیں۔اس لیے ہم اس کے درپے نہیں ہوتے۔اللہ اعلم بعبادہ۔ہمارے اس جواب پر ایک سوال وارد ہو سکتا ہے وہ یہ کہ سورۃ محمد میں اس حکم کے لفظ یوں ہیں﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ﴾[1](پس تو جان رکھ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کے لیے اور مومن مردوں اور عورتوں کیلیے بخشش مانگا کر اللہ تعالیٰ تمہارے سفر وحضر کے حالات سب کو جانتا ہے)(بقول سائل)اس آیت میں نبی کو صاف حکم ہے کہ تو اپنے گناہوں کے لیے اور مومنین کے لیے بخشش مانگا کر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "استغفر" کے مخاطب مخصوص پیغمبر علیہ السلام ہیں نہ کہ امت کے لوگ۔جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس مدعا کے لیے بالکل واضح ہے کہ اس سے مراد امت کا ہر فرد ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امت کے ہر فرد کو حکم ہوتا ہے کہ تم مسلمان اپنے استغفار میں دوسرے مسلمانوں کو بھی شامل کر لیا کرو۔چنانچہ اس شمول کے الفاظ خود قرآن مجید میں آ چکے ہیں۔﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾[2](اے خدا! ہم کو بخش اور ہمارے سابقہ برادران اسلام کو بخش)پس اس آیت کی روشنی میں آیت زیر بحث میں آیت کے معنی عام ہیں یعنی مراد ہے کہ اے مسلمانو! تم میں ہر فرد اپنی دعا میں دیگر مسلمانان دنیا کو بھی شامل کیا کرے۔[3]

اسی طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ سورۃ ص کی آیت ۲۱ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت داوٗد علیہ السلام اور بنت سبع کا قصہ بائبل سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ قصہ بنانے والوں کی کتنی دلیری ہے کہ ایک نبی کی شان میں ایسے لکھتے ہیں کہ معمولی آدمی کے حق میں بھی بولے جائیں تو ناپسند ہوں۔پھر اس قصہ کے بے بنیاد ہونے پر چار صفحات پر مشتمل کئی وجوہ لکھتے ہیں جس میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قصہ کی تکذیب پر پیش کردہ سترہ قرائن ذکر کرتے ہیں جن میں سے سات کا تعلق اس آیت سے قبل اور دس کا تعلق اس آیت کے بعد سے ہے۔اسی طرح آپ حضرت

---

1 سورۃ محمد:19:47
2 سورۃ الحشر:10:59
3 امرتسری، تفسیر ثنائی،174:3، 173

داوڈ کی قرآن میں بیان آٹھ صفات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ایسی صفات کے حامل سے ایسی قبیح حرکت نہیں ہو سکتی۔ پھر مفسر ابو سعود کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ قصہ بری ساخت کا گھڑا ہوا ہے اور بہت بڑا فریب ہے۔ افسوس ہے ان کے لیے جس نے اس کو بنایا اور تباہی ہو اس کے لیے جو بغیر تردید اس کو شائع کرے اور پھیلائے۔[1]

مسیحی عقائد پر تنقید میں بائبل سے استدلال

قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ نے مسیحی عقائد کا ذکر کیا وہاں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مسیحی عقائد کا رد فرمایا اور بعض مقامات پر بڑی تفصیلی گفتگو فرمائی۔ مسیحی عقائد کو مسیحی مصنفین کے الفاظ میں واضح کرتے ہیں اور پھر انہی کی کتب سے ان کے عقائد کا ابطال کرتے ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ مسیحی عقائد کے رد پر ایک مناظرانہ گُر بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو مسلمان مصنف توریت اور انجیل سے توحید کا ثبوت اور تثلیث کا رد بیان کیا کرتے ہیں ہم ان کی رائے سے مخالف ہیں جبکہ فریق مخالف خود اس بات کے قائل ہیں کہ ہماری کتابوں کا مضمون مثبت تثلیث ہے۔ تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان کے خلاف معنی کریں؟ ہم بھی انہی معنوں کو مان کر ان کی کتابوں کی بے اعتباری ثابت کریں گے جس سے بحث با آسانی طے ہو سکتی ہے۔[2]

مولانا رحمۃ اللہ علیہ آیت ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾[3] (کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ خدا اس کو کتاب اور علم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا سے ورے مجھے ہی خدا سمجھو) کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عیسائیوں کا عام دعویٰ ہے کہ ہم کو تثلیث اور الوہیت مسیح کی تعلیم خود مسیح نے ہی دی ہوئی ہے، اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

پھر مولانا مسیحی عقیدہ توحید فی التثلیث بیان کرتے ہیں اور پھر ہندوستان میں عیسائیوں کے امام مناظر پادری فینڈر کی تصنیف مفتاح الاسرار سے عبارت نقل کرتے ہیں جس میں پادری فینڈر انجیل کی وہ آیات پیش کرتے ہیں

---

1 امرتسری، تفسیر ثنائی، 3:131۔136

2 امرتسری، تفسیر ثنائی، 1:246

3 سورۃ آل عمران: 3:79

جن سے وہ تثلیث کا ثبوت پیش کرتے ہیں پھر مولانا قرآنی آیت ﴿كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ﴾[1] "دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے" کی تشریح کرتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ ایک عام آدمی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا لیکن مسیحی ایک عذر پیش کرتے ہیں۔ مفتاح الاسرار کے مطابق مسیح بندہ، مالک اور آدمی بھی ہے اور خدا بھی ہے۔ لہذا بعض مقامات سے اس کی بشریت اور بعض سے الوہیت عیاں ہوتی ہے۔ دعائے عمیم میں ہے کہ کیونکہ ایمان صحیح یہ ہے کہ ہم اعتقاد اور اقرار کریں کہ خداوند کا بیٹا ہمارا خداوند یسوع مسیح خدا اور انسان بھی ہے۔

عیسائی پادریوں کے درج بالا نظریات پیش کرنے کے بعد مولانا لکھتے ہیں کہ ناظرین دیکھیں کہاں تک اجتماع منکرین ہے اور پھر کیا مسیح الوہیت اور بشریت سے مرکب تھا تو حادث ہو گا کیونکہ ترکیب حدوث کو مستلزم ہے پھر بھی خدا نہ ہوا بلکہ مرکب بنانے والے کا محتاج۔ بہ ہر صورت تین ہی بنتے ہیں اور اسی کا نام شرک ہے۔

عیسائی اس سے بچنے کے لیے ایک اور چال چلتے ہیں۔ تشریح التثلیث میں ہے کہ ہم مسیح، روح القدس اور خدا کو اگر مستقل خدا مانیں تو پھر ہی شرک ہو گا۔ ہم تو تینوں کے شروع میں لفظ خدا لگاتے ہیں اور یہ تینوں کسی ایک کے بغیر نامکمل ہیں۔ ہم کسی ایک کو خدا نہیں مانتے۔ ان عبارتوں کے جواب میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ناظرین پادری فینڈر کہتے ہیں کہ تینوں مستقل لیکن تشریح کرنے والے اس کے نکاری ہیں۔ لہذا تین اجزاء سے مرکب خدا حادث ہو گا، اس کا ترکیب دہندا بھی کوئی ہو گا اور پھر حادث فنا بھی ہو گا لیکن خدا کا فنا ہونا درست نہیں۔ فرمانِ خداوندی ہے کہ ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾[2] "اگر زمین و آسمان میں دو خدا ہوتے تو فساد برپا ہو جاتا" اس پہلو سے بھی جان بچانے کو عیسائیوں نے ایک مفر نکالا ہے، وہ بھی سننے کے لائق ہے۔ مفتاح الاسرار میں ہے کہ مسیح میں خود وہی خدا تھا جو آسمان و زمین کا مالک ہے کوئی دوسرا نہیں تھا جس نے موسیٰ کو کوہِ طور پر درخت میں جلوہ دکھایا وہ مسیح تھا۔ اس کے جواب میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حلول ہے جس کی آپ اور آپ کے پیرومرشد پادری فینڈر مفتاح الاسرار میں تردید کرتے ہیں۔ پس اگر حلول بھی نہیں عینیت ہے تو دلیل خلف وارد ہو گی کیونکہ ﴿كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ﴾[3] "دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے" پھر اہلِ مسیح یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ

---

1 سورۃ المائدۃ:75:5

2 سورۃ الانبیاء:22:21

3 سورۃ المائدۃ:75:5

مسیح کی خدا کے ساتھ کیفیت سے ہم واقف نہیں۔ ڈاکٹر پادری کلارک میڈیکل مشنری امرتسر نے تو بالکل ہی صاف کہہ دیا کہ کثرت فی الوحدث ایک ایسا مسئلہ ہے کہ نہ اس کا سمجھنے والا پیدا ہوا نہ ہو گا۔

مسیحیوں جب نجات کا مدار سمجھ نہیں آرہا اور نہ امید ہے کہ سمجھ آئے گا تو پھر بحث ترق کر دیں۔ مسیح کا خدا سے مجہول الکیفیت تعلق ماننے سے الوہیت ثابت نہیں ہو سکتی۔

الوہیتِ مسیح خلافِ عقل ہونے کی بنا پر خدائی تعلیم نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ مفتاح الاسرار کے مطابق اگر خدا، مسیح اور روح القدس مستقل معبود ہیں تو شرک، اگر تینوں ایک ہیں تو ترکیب الہ ہو گی اور خدا حادث ہو گا۔ مسیح کے انسان اور خدا ہونے کے ناطے مرکب ہو کر حدوث لازم آئے گا اور اگر ظرف مظروف (پانی برتن) کا سا تعلق ہے تو حلول لازم آئے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا کا مسیحؑ سے خاص تعلق تھا اور اس سے کوئی بھی انکاری نہیں ہے لیکن اس سے الوہیت کا ثبوت نہیں ہو تا۔ اور اگر مفتاح الاسرار کے مطابق دونوں کا ایسا تعلق ہے جو ہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن جس تعلق کو ہم جانتے ہی نہیں ہیں، اس سے الوہیت کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟ لہذا الوہیتِ مسیح کا فلسفہ باطل ہے بلکہ تورات و انجیل بھی کلام الٰہی کے مرتبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ اہلِ مسیح کو چاہیے کہ اسلام کی صاف اور سیدھی تعلیم قبول کریں جس میں کوئی اینچ پیچ نہیں۔[1] ﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾[2] ﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ﴾[3]

اسلام پر اعتراضات کے دفاع میں بائبل سے استدلال

مولانا رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ثنائی میں ہمہ قسم کے اعتراضات سے اسلام کا دفاع کرتے ہیں۔ مثلاً آیت ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ﴾[4] "اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے" کی تشریح کرتے

1 امرتسری، تفسیر ثنائی، 1/235۔246
2 سورۃ الاخلاص: 112: 1۔4
3 سورۃ الشوریٰ: 42: 11
4 سورۃ البقرہ: 2: 7

ہوئے لکھتے ہیں کہ مسیحیوں کو چاہیے کہ قرآن پر اعتراضات سے پہلے اپنے ہاں کی خبر لیں۔ تورات اور اناجیل میں یہی اسلوب بیان بے شمار مرتبہ ذکر ہے۔ مثلاً:

”خداوند نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ جب تو مصر میں داخل ہووے تو دیکھ سب معجزے جو میں نے تیرے ہاتھ میں رکھے ہیں فرعون کے آگے دکھلائیو۔ لیکن میں اس کے دل کو سخت کر دوں گا وہ ان لوگوں کو جانے نہ دے گا۔“[1]

”خدا نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا اس نے ان کا جانا نہ چاہا۔“[2]

”موسیٰ اور ہارون نے یہ عجائب فرعون کو دکھائے اور خدا نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ اس نے اپنے ملک سے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا۔“[3]

پادری سب سے پہلے درج بالا جوابات دیں، پھر ہم سے مخاطب ہوں۔ ”فَمَا هُوَ جَوَابُهُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا“[4]

احقاقِ حقائق اور بائبل سے استدلال

مولانا ہمیشہ حق بات کو ناحق سے چھانٹ کر الگ کر دیتے ہیں کہ کیا حق ہے کیا ناحق ہے اور بعض اوقات تو دونوں بیان کر کے ناظرین پر بات چھوڑ دیتے ہیں کہ بات واضح ہے خود ہی صاحب عقل فیصلہ فرما لیں۔ مثلاً جہاد کے متعلق لکھتے ہیں کہ مسیحی سب سے پہلے اپنی کتابوں کا رخ کریں، وہاں بھی ایسا ہی جہاد درج ہے۔[5]

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ عیسائیوں کی کتابوں میں جس قسم کے جہاد کا ذکر ہے اس کے مقابلہ میں اسلامی جہاد خدا کی رحمت اور سراسر نعمت عظمیٰ ہے۔ غور سے پڑھو:

”پھر خدا نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اہل مدیان سے بنی اسرائیل کا انتقام لیں۔۔۔ بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے مواشی اور بھیڑ بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا اور ان کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کے سب قلعوں کو

1 خروج21:4
2 خروج27:10
3 خروج10:11
4 امرتسری، تفسیر ثنائی،27،28:1
5 امرتسری، تفسیر ثنائی،129:1

پھونک دیا۔۔۔اور موسیٰ لشکر کے رئیسوں پر۔۔۔غصہ ہوا اور ان کو کہا کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا؟۔۔۔سو تم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب کو قتل کرو اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف تھیں جان سے مارو۔"[1]

یہ تو ہے مذہبی تعلیم اور اگر عمل دیکھیں تو کوئی حد ہی نہیں کون ہے جو یورپ کی جنگوں سے واقف نہیں کہ گیارہویں صدی عیسوی میں صرف بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھڑانے پر قریباً ساٹھ لاکھ جانیں ضائع کیں۔[2] مگر قرآن نے اگر ﴿وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ کہا ہے تو اطراف سے آوازیں بلند ہیں کہ یہ کیا ظلم کیا، وہ کیا ستم کیا۔[3]

اسی طرح مولانا آیت ﴿وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾[4] کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسیحی اہلِ اسلام کی طرف سے انجیل کے کلامِ الٰہی ہونے کی دلیل طلب کرنے پر درج ذیل یا اس کے ہم معنی کوئی آیت پڑھ کر کہتے ہیں کہ تمہارا قرآن ہماری کتب کی شہادت دیتا ہے اور ان کو تسلیم کرنا تمہارے ایمان کا حصہ ہے اور تمہیں کیا ثبوت چاہیے؟ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم یہاں واضح کر دیں کہ جن کتب کی قرآن تصدیق کرتا ہے کیا وہ یہی ہیں جن کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت زمانہ حال کے عیسائیوں سے مطلوب ہے یا اور؟ اور ان کتابوں کی قدر و منزلت کہاں تک ہے اور یہ بھی واضح کر دیں کہ اس مطلب پر عیسائیوں کا اس آیت کو پیش کرنا مثبت مدعا ہے یا صرف دفع الوقتی یا نہ سمجھی۔ پھر مولانا لکھتے ہیں کہ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور وفات کے بعد کے واقعات ذکر ہیں۔ ایسے ہی اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پر جان دینے اور صلیب کے بعد کے واقعات بصراحت موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جن انبیاء کرام کی طرف یہ کتب منسوب ہیں انہوں نے یہ کتب تحریر نہیں کیں۔ بقول نصاریٰ موجودہ اناجیل حواریوں نے الہام کے ذریعے تحریر کیں لیکن اُن کے پاس حواریوں پر الہام کے ثبوت پیش کرنا ابھی تک باقی ہے۔ اناجیل میں سینکڑوں واقعات ایسے ہیں جو ایک مصنف لکھتا ہے لیکن دوسرا

1 گنتی، 31:1۔18؛ امرتسری، تفسیر ثنائی، 1:516۔518
2 امرتسری، تفسیر ثنائی، 1:519
3 امرتسری، تفسیر ثنائی، 1:129
4 سورۃ البقرۃ: 2:4

نہیں لکھتا مثلاً مسیح علیہ السلام کا زندہ ہو کر آسمان پر چلے جانا مرقس لکھتا ہے متی نہیں لکھتا وغیرہ وغیرہ۔ اصل یہ ہے کہ اناجیل کے واقعات کے ثبوت کی بنا صرف سماع پر ہے چنانچہ لوقا اپنی انجیل کے شروع میں ظاہر کرتا ہے کہ میں نے بلکہ سب راویوں نے سن کر واقعات لکھے ہیں لہذا قرآن جس تورات اور انجیل کی شہادت دیتا ہے وہ یہ نہیں ہے اور قرآن مجید نے بھی کہیں یہ ذکر نہیں کیا کہ متداول اناجیل مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئیں لہذا مسیحیوں کا اناجیلِ متداولہ کو ماننے کے سلسلے میں آیتِ کریمہ پیش کرنا درست نہیں ہے۔ مولانا اپنی تفسیر میں ایسے بہت سے حقائق سے پردہ کشائی کرتے ہیں جس سے حق اور باطل میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔[1]

سر سید کے سابقہ صحف سے اخذ پر تنقید میں بائبل سے استدلال

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ، سر سید احمد خاں کے وہ نظریات، جو وہ بائبل سے استدلال کر کے بیان کرتے ہیں، رد کرتے ہیں۔ کیوں کہ اہل بائبل بھی ان الفاظ کو اس معنی میں نہیں لیتے جس معنی میں سر سید لے رہے ہوتے ہیں۔ مولانا کئی مقامات پر سر سید کے نظریات کا رد کرتے ہیں جہاں مسلمان اور عیسائی دونوں متفق ہوتے ہیں۔ مثلاً عیسائی اور مسلمان دونوں متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے لیکن سر سید احمد خاں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف کے بیٹے تھے۔ قرآن اور بائبل سے بیان کرنے کے بعد کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے تھے، لکھتے ہیں کہ اس صاف اور سیدھے بیان انجیل کو بھی سید صاحب نے اندھوں کی کھیر کی طرح ٹیڑھا بنانا چاہا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مریمؑ کا یوسف سے خطبہ مسیح کے حواری اور اہلِ مسیح کے درمیان مسلم ہے۔ اہلِ یہود کا دستور تھا کہ شوہر اور زوجہ میں شادی کی معیاد مقرر کرنا عقدِ نکاح کے قائم مقام تھا جس میں زوجہ کو اپنے گھر لانا باقی ہوتا تھا۔ رخصتی سے پہلے اولاد کا پیدا ہونا ناجائز نہیں لیکن خلافِ رسم معیوب اور شرم و خجالت کا باعث تھا۔ لہذا یوسف ہی مسیح کے باپ ہیں اور انجیل متی کے بیان کہ مریم کے حاملہ ہونے کا پتہ چلنے پر یوسف نے مریمؑ کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا تو وجہ صرف یہی ہے کہ یوسف کو رنج اور خجالت ہوئی ہو گی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سید صاحب اگر مریم کا حمل درست تھا اور صرف خلافِ رسم تھا تو یوسف صرف اتنی بات پر مریمؑ کو چھوڑنے پر کمربستہ کیوں ہو گیا؟ حالانکہ اسے معلوم تھا سارا کیا دھرا تو اُسی کا ہے اور پھر خواب میں

---

1 امرتسری، تفسیر ثنائی، 1:24-27

فرشتے نے کیا تسلی دی کہ:

"اے یوسف ابن داؤد اپنی جورو مریم کو یہاں لے آنے سے مت ڈر کیونکہ جو اس کے رحم میں ہے سو روح القدس سے ہے۔"[1]

کیا اس سے خلافِ رسم حمل موافقِ رسم ہو جائے گا؟ جیسے حضرت مریمؑ کے سوال ﴿اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ﴾[2] کے جواب ﴿کَذٰلِکَ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ﴾[3] میں سرسید نے تدبر سے کام نہیں لیا، اسی طرح اس میں بھی غور نہیں کیا۔ سرسید بحوالہ متی و لوقا کی انجیل مصر ہیں کہ مسیح ابن داؤد اور ابن ابراہیم ہیں اور قرآن کے مطابق ابراہیمی ذریت سے ہیں۔ لیکن صریح دلائل کے سامنے ایسے اٹکل پچو کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟[4] ایک مقام پر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سرسید احمد خاں پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جہاں اپنا نظریہ ثابت کرنا ہو وہاں بائبل سے دلیل لے لیتے ہیں۔ بعض اوقات دلیل کو ہی اور معنی پہنا دیتے ہیں جو کسی طور پر بھی قابلِ قبول نہیں ہوتا۔

قرآنِ کریم میں سابقہ صحفِ سماویہ کے حوالہ جات کی تشریح میں بائبل سے استدلال

قرآن کریم نے جہاں جہاں کسی بھی سابقہ صحف سماوی کا حوالہ دیا ہے، مولانا ان مقامات کی شرح کرتے ہیں۔ اگر ایک طرز کی مکرر آیت آتی ہے تو جہاں تشریح کی گئی ہے وہاں کا حوالہ دیتے ہیں۔ درج ذیل آیت اور اس کی تشریح ملاحظہ کریں:

﴿تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ﴾[5]

"تم ان کو رکوع و سجود کرتے دیکھتے ہو۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں ان کی نشانی ان کی نمازوں کے اثر سے ان کے چہروں میں ہے۔ یہی اوصاف ان کے تورات میں مرقوم ہیں۔"

---

1 متی، 20:1
2 سورۃ آلِ عمران:40:3؛ مریم 8:19
3 سورۃ آلِ عمران:47:3
4 امرتسری، تفسیر ثنائی، 203،204:1
5 سورۃ سورۃ الفتح:29:48

موجودہ تورات میں اہلِ اسلام کی یہ صفت آج بھی مرقوم ہے:

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلویٰ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔"[1]

یہ مکہ معظمہ میں داخلہ کی طرف اشارہ ہے جس میں آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام تھے جنہیں قدسی یعنی پاکیزہ ہستیاں کہا جا رہا ہے۔ انجیل میں یہ تمثیل ان لفظوں میں ملتی ہے:

"اس (مسیح) نے ایک اور تمثیل ان (لوگوں) کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔"[2]

اس تمثیل کے مرقس کی انجیل میں الفاظ درج ذیل ہیں:

"وہ (مسیح) تمثیلوں میں بہت باتیں سکھانے لگا اور اپنی تعلیم میں ان سے کہا سنو دیکھو۔ ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت ایسا ہوا کہ کچھ راہ کے کنارے گرا اور پرندوں نے آکر اسے چگ لیا اور کچھ پتھریلی زمین پر گرا۔ جہاں اسے بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اگ آیا۔ اور جب سورج نکلا تو جل گیا اور جڑ نہ ہونے کے سبب سوکھ گیا اور کچھ جھاڑیوں میں گرا اور جھاڑیوں نے بڑھ کر اسے دبا لیا اور وہ پھل نہ لایا اور کچھ اچھی زمین پر گرا اور وہ اُگا اور بڑھ کر پھلا اور کوئی تیس گنا کوئی ساٹھ گنا کوئی سو گنا پھل لایا۔ پھر اس نے کہا جس کے کان ہوں وہ سن لے۔"[3]

انجیل لوقا میں اس تمثیل کے الفاظ یوں ہیں:

"پس وہ مسیح کہنے لگا خدا کی بادشاہت کس کی مانند ہے میں اس کو کس سے تشبیہ دوں۔ وہ رائی کے دانے کی مانند ہے جس کو ایک آدمی نے لے کر اپنے باغ میں ڈال دیا۔ وہ اُگ کر بڑا درخت ہو گیا اور ہوا کے پرندوں نے اسکی ڈالیوں پر بسیرا کیا۔ اس نے پھر کہا میں خدا کی بادشاہت کو کس سے تشبیہ دوں اور وہ

---

1 استثنا، 2:33

2 متی، 31:13، 32

3 مرقس، 4:3۔9

خمیر کی مانند ہے جسے ایک عورت نے لے کر تین پیمانے آٹے میں ملایا، ہوتے ہوتے سب خمیر ہو گیا۔"[1]

تشریح انجیلی اور مسیحی محاورے میں خدائی بادشاہت سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں حسب مرضی الٰہی لوگ کام کریں اور نجات آخری کے مستحق ہوں چنانچہ حضرت مسیح کا قول اس اصلاح کے موافق انجیل میں یوں ملتا ہے:

"اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راست بازی سے زیادہ نہ ہو گی تو تم آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہو گے۔"[2]

چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو یہ بتانا منظور ہے کہ زمانہ محمدی خدا کا پسندیدہ اور اس زمانہ کے لوگ خدا کے برگزیدہ ہوں گے۔ اس لیے انہوں نے اسی زمانہ کو خدا کی بادشاہت کے نام سے موسوم کر کے سمجھایا۔ قرآن مجید میں انہی مقامات کی طرف اشارہ ہے۔[3]

حاصلِ بحث

جب انگریز حکومت کا خوف وہراس مسلمانانِ برصغیر کے دل ودماغ پر چھایا ہوا تھا اور عیسائی مشنری اسلامی تعلیمات کو دقیانوسی قرار دینے اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں مصروف تھی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۶۸ء۔۱۹۴۸ء) اس دور کے سب سے بڑے مسلم مناظر تھے جنہوں نے ہزاروں مناظرے لڑے، جن میں نہ صرف فتح حاصل کی بلکہ خاندانوں کے خاندان مسلمان ہوتے چلے گئے اور تشکیک زدہ مسلم اذہان مستقل بنیادوں پر مضبوط ہوتے چلے گئے۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اس میدان کے سب سے بڑے مجاہد نظر آئے جو زبان و قلم سے اسلام پر ہر حملے کا جواب دینے کے لیے پیش پیش رہے۔ پادری ٹھاکر دت کی کتاب "عدم ضرورت قرآن" کا جواب "تقابل ثلاثہ" لکھ کر، مسیحوں کی تین کتب کا جواب "اسلام اور مسیحیت" لکھ کر، پادری عبد الحق کی تصنیف "اثبات التثلیث" کا جواب "اثبات التوحید" لکھ کر دیا۔ پادری سلطان محمد پال کی تصنیف "میں مسیح کیوں ہوا؟" کا جواب "تم عیسائی کیوں ہوئے؟" لکھ کر دیا اور قرآن پر اِس کے اعتراضات کا جواب مولانا ہی نے دیا جو برہان التفاسیر کے نام سے شائع ہوا۔ اسی طرح رسائل و جرائد کے ذریعے بھی مخالفین کا جواب دیتے رہے اور

---

1 لوقا، 13:18۔21

2 متی 20:5

3 امرتسری، تفسیر ثنائی، 3:278، 277

امت مسلمہ کے قلوب واذہان کی مضبوطی کا سب بنتے رہے جسے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کتابی شکل میں "مجموعہ جوابات نصاریٰ" کے نام سے شائع کیا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں مناظروں اور اسلام کے خلاف لکھی گئی کتابوں کی جوابی کتب لکھ کر اس نتیجے پر پہنچے کہ قرآن مجید کی اردو زبان میں ایک جامع ومانع تفسیر لکھی جائے جس میں اہلِ اسلام کے لیے عقائد کی پختگی کے ساتھ ساتھ اہلِ کتاب کی طرف سے اسلام پر عائد کردہ شکوک وشبہات اور اعتراضات کے جواب میں ایک طریقہ و منہج یہ اختیار کیا جائے کہ انہیں کی الہامی کتب سے جوابات اور جوابی اعتراضات پیش کیے جائیں تاکہ یہ جواب ان کے لیے قابلِ قبول ہوں اور اسلام کی طرف مائل ہونے میں معاون بھی ثابت ہوں۔ لہذا مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر میں مسیحی عقائد و نظریات کا بطلان ثابت کیا اور فاتحانہ انداز میں معترضین اور متشککین کے اعتراضات کا نہ صرف جواب دیا بلکہ مضبوط دلائل کے ساتھ ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا اور ان پر جوابی اعتراضات بھی کیے۔ یہ تحقیقی مقالہ اہلِ اسلام کی اسلام پر پختگی اور اہلِ کتاب کو اسلام کی طرف مائل کرنے میں مشعلِ راہ ہے۔